قربانی کا سفر
محمد یوسف

فہرست

باب اول: تعارف

رات کی تاریکی میں چمکتے ستارے جیسے کسی خواب کی تعبیر کا اشارہ دے رہے تھے۔ سلمیٰ کھڑکی کے قریب کھڑی، آسمان کی وسعتوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ ایک گہری سانس لی، جیسے اپنے دل کے اندر کی بے قراری کو تھپکی دے رہی ہو۔

"یہ زندگی ہے یا کوئی خواب ہے؟" وہ خود سے سوال کر بیٹھی۔

تیس سال کی ہو چکی تھی، ایک کامیاب ملازمت کر رہی تھی، مگر دل میں ایک خلش تھی، ایک بے نام سی تڑپ جو ہر لمحہ اسے بے چین رکھتی تھی۔ اس کے اندر کا شعلہ بجھنے کو نہیں آ رہا تھا، جیسے زندگی میں کچھ باقی ہو، کچھ ایسا جو ابھی مکمل نہیں ہوا۔

"سلمیٰ، کب تک خود کو مصروف رکھو گی؟" اس کی ماں کی نرم مگر فکرمند آواز اس کے کانوں میں گونجی۔ "تمہیں اب اپنی زندگی کا فیصلہ کر لینا چاہیے۔ شادی کر لو بیٹی، وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا۔"

سلمیٰ نے مسکرا کر ماں کو دیکھا۔ وہ جانتی تھی کہ ماں کے لہجے میں محبت بھی تھی اور فکر بھی۔ مگر کیا وہ اپنے خوابوں کو ترک کر کے وہی زندگی گزار لے جو ہر عورت کے حصے میں آتی ہے؟

یہ جو خواب ہیں، یہ جو آرزوئیں ہیں
یہ جو خواہشیں بے قرار سی ہیں
یہ جو دل میں اٹھتے ہیں طوفاں سے
یہی زندگی کا شمار سی ہیں

وہ ایک درمیانے طبقے کے خاندان میں پیدا ہوئی تھی، جہاں بیٹیوں کی زندگی کا حتمی مقصد ایک اچھی شادی اور خوشحال گھر ہوتا ہے۔ مگر سلمیٰ کا دل ہمیشہ کچھ اور چاہتا تھا۔ اسے بچپن سے ہی بڑے خواب دیکھنے کی عادت تھی، وہ چاہتی تھی کہ وہ کچھ ایسا کرے جو دوسروں کے لیے مثال بن سکے۔

"دیکھو سلمیٰ، تمہاری کزن عائشہ کی شادی ہو گئی، صبا کی بھی بات پکی ہو چکی ہے۔ اب تمہاری باری ہے۔ تم تو سب سے بڑی ہو، تمہاری شادی کے بعد ہی چھوٹی بہنوں کی باری آئے گی۔" یہ اس کے چچا کی باتیں تھیں، جو اکثر گھر میں گونجتی رہتی تھیں۔

"سلمیٰ، آخر کب تک تم ایسے ہی اکیلی رہو گی؟ تمہیں اپنی زندگی کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنا چاہیے۔" خالہ نے بھی اپنے انداز میں سمجھانے کی کوشش کی۔

سلمیٰ کو سب کی باتوں کا احساس تھا، مگر اس کی اپنی خواہشیں بھی اہم تھیں۔ کیا ایک عورت کے خواب اس کے لیے اہم نہیں ہوتے؟ کیا اسے صرف شادی کے لیے ہی پیدا کیا جاتا ہے؟

سلمیٰ نے ایک معروف کمپنی میں بطور سینئر مینیجر ملازمت حاصل کر رکھی تھی۔ اس کا دفتر شہر کے پوش علاقے میں تھا، اور وہ وہاں اپنی قابلیت سے سب کو متاثر کر چکی تھی۔ مگر یہ کامیابی بھی اس کے اندر کی بے چینی کو کم نہیں کر سکی تھی۔

ایک دن دفتر میں اسے ایک ای میل ملی۔

"مبارک ہو! آپ کو بین الاقوامی اسکالرشپ کے لیے منتخب کر لیا گیا ہے۔ آپ کو اگلے چھ ماہ میں بیرون ملک جا کر مزید تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملے گا۔"

یہ وہ لمحہ تھا جس کا وہ انتظار کر رہی تھی۔ ایک موقع، جو اس کی زندگی کو بدل سکتا تھا۔

مگر یہ فیصلہ آسان نہیں تھا۔ ایک طرف خاندان کی امیدیں اور معاشرتی دباؤ، اور دوسری طرف اس کا خواب، اس کی آزادی۔

"کیا تم واقعی جانا چاہتی ہو؟" ماں نے اداس نظروں سے پوچھا۔

"ماں، میں صرف ایک موقع چاہتی ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ میں کچھ بڑا کر سکتی ہوں۔ کیا آپ چاہتی ہیں کہ میں اپنی زندگی یونہی گزار دوں؟" سلمیٰ کی آنکھوں میں امید کی چمک تھی۔

ماں خاموش ہو گئی، مگر اس کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔

"تمہیں سمجھنا چاہیے کہ یہ دنیا عورت کے لیے آسان نہیں ہے۔ تمہیں بہت کچھ قربان کرنا پڑے گا۔" والد نے پہلی بار سخت لہجے میں کہا۔

"ابا، میں تیار ہوں قربانی دینے کے لیے۔ مگر میں اپنی پہچان بنانا چاہتی ہوں۔ مجھے اجازت دیں۔" سلمیٰ کی آواز مضبوط تھی۔

والد نے ایک گہری سانس لی۔ گھر کے سب لوگ اس فیصلے کے خلاف تھے، مگر سلمیٰ نے اپنا ارادہ پکا کر لیا تھا۔

سفر شروع ہونے کو تھا...

دوسرا باب: انتخاب کا لمحہ

سلمیٰ کی زندگی میں وہ لمحہ آ چکا تھا جب اسے اپنی تقدیر کا فیصلہ کرنا تھا۔ یہ ایک عام دن تھا، مگر اس کا دل کسی بے نام اضطراب میں گھرا ہوا تھا۔ صبح جب وہ یونیورسٹی پہنچی تو ایک خوشخبری اس کی منتظر تھی۔ اسے ایک بین الاقوامی اسکالرشپ مل چکی تھی جو اسے بیرونِ ملک اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا موقع دے رہی تھی۔

"یہ خواب تھا یا حقیقت؟" سلمیٰ نے خط کو بار بار پڑھا۔ اس کی آنکھوں میں چمک اور دل میں ایک انجانی خوشی تھی۔ مگر جیسے ہی اس نے گھر کا رخ کیا، یہ خوشی رفتہ رفتہ تشویش میں بدلنے لگی۔

گھر پہنچتے ہی سلمیٰ نے والدین کو یہ خوشخبری سنائی۔ والد صاحب نے خاموشی اختیار کر لی اور والدہ کی آنکھوں میں بے چینی جھلکنے لگی۔

"بیٹی، یہ خوشی کی بات ہے، مگر... تمہاری عمر نکلی جا رہی ہے۔ رشتے کے معاملات اور بھی پیچیدہ ہو سکتے ہیں۔" والدہ نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"مگر امی! یہ موقع میری زندگی بدل سکتا ہے۔ میں ہمیشہ سے چاہتی تھی کہ میں کچھ بڑا کروں، کچھ ایسا جس سے نہ صرف میرا بلکہ دوسروں کا بھی بھلا ہو۔" سلمیٰ نے بے چینی سے وضاحت دی۔

والد نے گہری سانس لی۔ "بیٹا، ہم تمہاری خوشی چاہتے ہیں، مگر کیا تم نے سوچا ہے کہ اگر تم بیرون ملک چلی گئی تو رشتے کے کیا امکانات ہوں گے؟ لوگ کیا کہیں گے؟"

یہی سوال تھا جو سلمیٰ کے دل میں کانٹے کی طرح چبھ رہا تھا۔ معاشرہ ایک عورت کے خوابوں کو اکثر شادی کے پلڑے میں تولتا ہے۔ جب اس کی سہیلیوں کو پتا چلا کہ وہ بیرون ملک جا رہی ہے، تو کسی نے حیرت، کسی نے حسد اور کسی نے تنقید کا اظہار کیا۔

"سلمیٰ، تم اتنی خود غرض کیسے ہو سکتی ہو؟ شادی سب سے زیادہ ضروری چیز ہے۔ اگر عمر نکل گئی تو بعد میں مشکلات بڑھ جائیں گی۔" ایک دوست نے کہا۔

"ہاں، ایک عورت کے لیے گھر بسانا زیادہ اہم ہے، تعلیم تو چلتی رہتی ہے۔" دوسری نے ہمدردی جتائی۔

یہ جملے زہر کی مانند سلمیٰ کے دل میں اتر گئے۔

وہ رات بھر جاگتی رہی۔ ایک طرف اس کے خواب تھے، دوسری طرف والدین کی امیدیں اور معاشرتی اصول۔

یہ وقت کا فیصلہ ہے یا قسمت کی آزمائش؟
یہ خوابوں کی سرزمین ہے یا حقیقت کی سختی؟
یہ وقت کا دریا ہے یا بس ایک سراب؟

"کیا کروں؟ کس راہ کا انتخاب کروں؟" سلمیٰ نے خود سے سوال کیا۔

صبح کے وقت، سلمیٰ نے ایک فیصلہ کر لیا۔ وہ جانتی تھی کہ زندگی میں کچھ حاصل کرنے کے لیے قربانی دینی پڑتی ہے۔ وہ جانتی تھی کہ اگر آج اس نے پیچھے ہٹنے کا فیصلہ کیا تو ساری عمر پچھتاوے میں گزار دے گی۔

والدین کے سامنے کھڑی ہو کر اس نے مضبوط لہجے میں کہا:

"امی، ابو، میں جانتی ہوں کہ آپ میرے لیے بہترین سوچتے ہیں، لیکن میں اپنی زندگی کا فیصلہ خود کرنا چاہتی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ میری شناخت میری قابلیت سے ہو، نہ کہ کسی اور کے نام سے۔ میں آپ کی دعاؤں کی محتاج ہوں۔ مجھے جانے دیجیے۔"

والد کی آنکھوں میں فخر کے آنسو آ گئے، جبکہ والدہ نے خاموشی سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

یہ لمحہ تھا... قربانی کا... خوابوں کی تکمیل کے لیے ایک نئی شروعات کا !

تیسرا باب: قربانی کی راہ

سلمیٰ نے اپنے خواب کے حق میں فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ یہ فیصلہ آسان نہیں ہوگا، لیکن اس کے دل میں ایک مضبوط یقین تھا کہ وہ کسی غلط راستے پر نہیں جا رہی۔ اسکالرشپ کا خط اس کے ہاتھ میں تھا، مگر یہ خط صرف کاغذ کا ایک ٹکڑا نہیں تھا، بلکہ اس کی زندگی کا سب سے بڑا امتحان تھا۔

گھر کا ماحول سرد ہو چکا تھا۔ والدین کی خاموشی، بہن بھائیوں کی حیرت، رشتہ داروں کی سخت تنقید—سب کچھ ایک بوجھ کی طرح اس کے کندھوں پر آن پڑا تھا۔ ماں کی آنکھوں میں آنسو تھے، اور باپ کی پیشانی پر گہری لکیریں نمایاں ہو چکی تھیں۔

"سلمیٰ، بیٹی! زندگی میں کچھ چیزیں خوابوں سے بڑھ کر ہوتی ہیں،" ماں نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ "ہم نے تمہیں بڑے ارمانوں سے پالا ہے، کیا تم ہماری عزت کو یوں خاک میں ملانا چاہتی ہو؟"

سلمیٰ نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے دل میں ایک طوفان اٹھ رہا تھا، مگر وہ جانتی تھی کہ یہ راستہ اس کے مستقبل کے لیے ضروری ہے۔

راستے کٹھن ہیں، مگر حوصلہ باقی ہے
دل میں امیدوں کا ایک دیا باقی ہے

باپ نے اخباری صفحات پلٹتے ہوئے کہا، "بیٹی، ہم نے ہمیشہ تمہیں سپورٹ کیا ہے، مگر شادی ایک عورت کی زندگی کا سب سے اہم مرحلہ ہوتا ہے۔ تمہاری عمر نکلتی جا رہی ہے، اچھے رشتے بار بار نہیں آتے۔ یہ تعلیم اور نوکری کی ضد کب تک؟"

سلمیٰ کا دل چاہا کہ رو دے، مگر اس نے خود کو سنبھالا۔ "ابو، اگر میں ابھی اس موقعے کو چھوڑ دوں، تو زندگی بھر پچھتاوا رہے گا۔ یہ اسکالرشپ میرے خوابوں کا دروازہ کھول سکتی ہے۔ آپ کو مجھ پر اعتماد رکھنا چاہیے۔"

ماں نے گہری سانس لی۔ "بیٹی، ہمیں تم پر ناز ہے، مگر معاشرہ ہمیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔ لوگ باتیں بنائیں گے کہ بیٹی کو باہر بھیج دیا اور شادی کی پرواہ نہیں کی۔ یہ دنیا عورت کو آزادی نہیں دیتی، وہ ہمیشہ پابندیوں میں ہی جیتی ہے۔"

سلمیٰ نے آنکھوں میں آنسو لیے ماں کا ہاتھ تھام لیا۔ "ماں، شاید یہی وقت ہے کہ ہم اس سوچ کو بدلیں۔ اگر ہر بیٹی اپنے خوابوں کے لیے قربانی دینے کو تیار ہو، تو آنے والی نسلیں آزاد ہو سکتی ہیں۔"

ماں نے کوئی جواب نہ دیا، مگر آنسو اس کی خاموشی کا پتہ دے رہے تھے۔

جب یہ خبر خاندان میں پھیلی تو گویا ایک طوفان آ گیا۔ چاچی، پھوپھی، خالہ سب نے اپنی اپنی باتیں سنانی شروع کر دیں۔

"یہ آج کی لڑکیاں بہت خودسر ہو گئی ہیں۔ ماں باپ کا کہا ماننا چھوڑ دیا ہے۔"

"پڑھائی اچھی چیز ہے، مگر حد میں رہ کر۔ سلمیٰ کی شادی ہو جاتی، پھر شوہر کے ساتھ پڑھائی کر لیتی۔"

"بیٹیوں کو اتنی آزادی دینا بھی خطرناک ہوتا ہے۔"

یہ سب باتیں سلمیٰ کے دل میں زہر گھولنے لگیں، مگر وہ جانتی تھی کہ یہ سب وقتی ہیں۔ وقت گزرے گا، اور حقیقت خود بولے گی۔

جنہیں ہم اپنی دعاؤں میں رکھتے ہیں

اکثر وہی دل دکھانے والے ہوتے ہیں

رات کے سناٹے میں سلمیٰ کی آنکھوں میں نیند نہیں تھی۔ وہ کھڑکی کے قریب آ کر چاند کی روشنی میں اپنی زندگی کو دیکھنے لگی۔

"کیا میں واقعی غلط کر رہی ہوں؟ کیا میں اپنے والدین کے خواب توڑ رہی ہوں؟" وہ خود سے سوال کرنے لگی۔

دل و دماغ کی اس جنگ میں وہ ٹوٹنے کے قریب تھی، مگر پھر اسے اپنی محنت، اپنی جد و جہد، اپنے خواب یاد آئے۔

یہ زندگی فقط اک بار ملتی ہے ہمیں

یہ خواب ہیں، یہ امیدیں سنبھالنی ہیں ہمیں

اچانک اس کے دل میں ایک نیا عزم پیدا ہوا۔ وہ جانتی تھی کہ جو راستہ اس نے چنا ہے، وہ آسان نہیں، مگر یہی راستہ اس کی کامیابی کی بنیاد رکھے گا۔

اگلی صبح سلمیٰ نے اسکالرشپ کی تصدیق کے لیے خط بھیج دیا۔ وہ جانتی تھی کہ اسے اپنے فیصلے پر قائم رہنا ہوگا۔

گھر میں خاموشی چھائی رہی، مگر اس کے دل میں طوفان تھم چکا تھا۔

وقت آنے دے، حقیقت خود بولے گی

یہ جو نفرت ہے، محبت میں ڈھل جائے گی

یہ اس کی قربانی کی راہ تھی، مگر وہ تیار تھی، کیونکہ وہ جانتی تھی کہ وقت سب کچھ بدل دے گا۔

چوتھا باب: مشکلات اور آزمائشیں

ہوائے وقت کے جھونکے ہمیشہ آسانیوں کے پیامبر نہیں ہوتے۔ بعض اوقات یہ آندھیاں بن کر آتی ہیں، انسان کے حوصلے کو آزمانے، اس کی قوتِ برداشت کو تولنے، اور یہ پرکھنے کے لیے کہ وہ اپنے ارادوں میں کتنا پختہ ہے۔ سلمیٰ کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ جب اس نے پاکستان چھوڑ کر ایک نئے دیس میں قدم رکھا، تو اس کی راہ میں مشکلات اور آزمائشوں کا ایک طوفان کھڑا ہو گیا۔

جہاز سے اترتے ہی اسے ایک عجیب سنسانی کا احساس ہوا۔ وہ شہر جہاں وہ آئی تھی، جدید تو تھا، مگر اس کی آنکھوں میں جو خواب سجے تھے، وہ یہاں کے بلند و بالا عمارتوں کے بیچ کہیں کھو گئے تھے۔

پہلے ہی دن سے اجنبی ماحول نے اسے جکڑ لیا۔ یونیورسٹی کی راہداریوں میں چلتے ہوئے وہ خود کو ایک اجنبی پرندے کی مانند محسوس کر رہی تھی، جو اپنی بولی سے ناآشنا تھا اور جس کی آواز کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔

کبھی کبھی اسے لگتا کہ شاید اس نے غلط فیصلہ کر لیا۔

"یہ دیس اجنبی ہے، لوگ بیگانے ہیں

کہاں سے لاؤں میں اپنے گھر کے افسانے ہیں"

مگر وہ جانتی تھی کہ اگر وہ خود کو کمزور ثابت کر دے گی، تو یہ شہر اسے اپنی سختی سے کچل دے گا۔

کلاس روم میں بیٹھے ہوئے جب پروفیسر انگریزی میں بولتے تو اسے لگتا جیسے وہ کسی اور زبان میں بات کر رہے ہوں۔ انگریزی پر اس کی گرفت اچھی تھی، مگر جب مختلف لہجے، مختلف انداز اور تیز رفتاری سے جملے ادا کیے جاتے، تو وہ کبھی کبھار خود کو بے بس محسوس کرتی۔

یونیورسٹی کے دوسرے طلبہ خوش مزاج تھے، مگر ان کے مذاق، ان کی ثقافت اور رہن سہن سلمیٰ کے ماحول سے یکسر مختلف تھے۔ وہ تنہا رہنے لگی۔

ہر شام وہ اپنے چھوٹے سے کمرے میں آ کر کھڑکی سے باہر دیکھتی اور اپنے ملک کے بارے میں سوچتی۔ اسے اپنے والدین کی یاد ستانے لگتی۔

"بچھڑ کے تجھ سے ہوا یہ احساس،

کہ تُو میرا تھا، تُو ہی میرا ہے"

مگر وہ کمزور نہیں پڑ سکتی تھی۔ اس نے اپنا مشن یاد کیا۔ وہ یہاں کسی مقصد کے لیے آئی تھی۔

سلمیٰ کی سب سے بڑی مشکل مالی مشکلات تھیں۔ جب اس نے گھر چھوڑا تھا، تو اس کے والد سخت ناراض ہو گئے تھے۔ انہوں نے دو ٹوک کہہ دیا تھا کہ وہ اس کی مدد نہیں کریں گے۔

اب وہ ایک ایسے دیس میں تھی جہاں ہر چیز مہنگی تھی۔ اسے اسکالرشپ ضرور ملی تھی، مگر یہ اسکالرشپ بمشکل اس کی فیس کے لیے کافی تھی۔ روزمرہ اخراجات کے لیے اسے خود کام کرنا تھا۔

کئی دن تک وہ کام کی تلاش میں رہی۔ کبھی کسی کیفے میں، کبھی کسی لائبریری میں، کبھی کسی ہوٹل میں۔ مگر نوکری حاصل کرنا اتنا آسان نہیں تھا۔ ایک دن جب اس نے اپنی آخری رقم سے کھانے کا ایک چھوٹا سا پیکٹ خریدا، تو اسے احساس ہوا کہ اب اسے ہر حال میں نوکری کرنی ہو گی۔

آخر کار، ایک کیفے میں اسے ایک معمولی نوکری مل گئی۔ وہ روزانہ رات گئے تک برتن دھوتی، میزیں صاف کرتی، اور لوگوں کے آرڈر لیتی۔ ہاتھ چھلنے لگے، پیروں میں درد رہنے لگا، مگر اس کی ہمت نہیں ٹوٹی۔

"یہ وقت بھی گزر جائے گا، اے دل پریشان نہ ہو

ہر رات کے بعد نئی صبح آتی ہے"

ہر رات، جب وہ اپنے چھوٹے سے کمرے میں بستر پر لیٹتی، تو اس کے دل میں ایک سوال گونجتا:

کیا واقعی میں نے صحیح فیصلہ کیا؟

کیا وہ اس قربانی کے قابل تھی؟ کیا اس کا خاندان کبھی اسے معاف کرے گا؟ کیا وہ کبھی اپنے والدین کی آنکھوں میں فخر کی چمک دیکھ سکے گی؟

اس کے ذہن میں کبھی کبھی وہ تمام باتیں گونجنے لگتیں جو اس کے رشتہ داروں نے اس پر کی تھیں۔

"لڑکیوں کو اتنی آزادی نہیں دی جاتی۔ "

"کتنی خود غرض ہے، ماں باپ کا دل دکھا کر چلی گئی۔ "

"آخر میں پچھتائے گی، مگر تب تک بہت دیر ہو چکی ہو گی۔ "

یہ جملے اس کے دل پر زخم کی طرح لگتے، مگر وہ ہار نہیں مان سکتی تھی۔

ہر مشکل کے بعد آسانی ہوتی ہے۔ سلمیٰ نے ہمت نہیں ہاری اور اپنی تعلیم پر فوکس کرنا شروع کیا۔ وہ دن میں یونیورسٹی میں پڑھتی، رات میں کام کرتی، اور ہر لمحہ خود کو آگے بڑھانے کے لیے استعمال کرتی۔

تھوڑے ہی عرصے میں، اس کی محنت رنگ لانے لگی۔ اس نے یونیورسٹی میں نمایاں کارکردگی دکھائی، اور اس کے پروفیسرز نے اس کی ذہانت کو سراہنا شروع کر دیا۔ جلد ہی اسے ایک ریسرچ اسسٹنٹ کی نوکری مل گئی، جس سے اس کے مالی مسائل کچھ کم ہو گئے۔

اب وہ راتوں کو کام کرنے کے بجائے اپنی پڑھائی پر مکمل توجہ دے سکتی تھی۔

"محنت کی چمک چہرے پہ ایسی تھی،

کہ وقت نے بھی سلام کیا"

یہ باب ختم نہیں ہوتا، کیونکہ مشکلات ہمیشہ رہتی ہیں، مگر انسان ان سے لڑنا سیکھ جاتا ہے۔ سلمیٰ کی کہانی ابھی جاری ہے۔ وہ اب پہلے سے زیادہ مضبوط ہو چکی تھی۔ اس نے خود کو ثابت کر دیا تھا کہ جب ارادے پختہ ہوں، تو دنیا کی کوئی مشکل راستہ نہیں روک سکتی۔

یہ تمام آزمائشیں اسے ایک بہتر انسان بنا رہی تھیں، اور اس کے حوصلے کی روشنی مستقبل کے سفر کو روشن کر رہی تھی۔

پانچواں باب: کامیابی کی روشنی

زندگی ہمیشہ سیدھی لکیر کی طرح نہیں چلتی۔ سلمیٰ نے جب اپنے خوابوں کے لیے سب کچھ قربان کیا تھا، تو اسے یقین تھا کہ کامیابی ایک دن اس کا مقدر بنے گی۔ مگر اس کامیابی تک پہنچنے کے راستے میں جو مشکلات آئیں، وہ اس کی توقعات سے کہیں زیادہ تھیں۔

بیرونِ ملک کے ابتدائی دنوں میں وہ اکثر تنہائی محسوس کرتی، ایک اجنبی دیس، نیا ماحول اور اپنے ہی ملک میں موجود اپنوں کی سرد مہری اسے اکثر راتوں کو بے چین رکھتی۔ مگر اس نے خود سے عہد کر رکھا تھا کہ وہ ہمت نہیں ہارے گی۔

یہ سوچ کر میں چلی تھی کہ راہیں آسان ہوں گی،
مگر ہر قدم پہ کانٹے بچھے تھے، امتحان ہوں گے۔
خواب آنکھوں میں تھے، پر نیندیں نہیں تھیں،
دیے جلانے تھے، پر ہوائیں مخالف تھیں۔

مگر وقت کے ساتھ ساتھ اس کی محنت رنگ لانے لگی۔ اس کی تعلیمی کارکردگی بہترین رہی اور اسے اسکالرشپ کے علاوہ دیگر تعلیمی مواقع بھی ملنے لگے۔ جلد ہی اس نے اپنے علم اور ہنر کے ذریعے ایک عالمی تعلیمی ادارے میں ملازمت حاصل کر لی، جو ترقی پذیر ممالک میں تعلیم کے فروغ پر کام کر رہا تھا۔

سلمیٰ کو جو ذمہ داری دی گئی تھی، وہ نہایت اہم تھی۔ اسے ان ممالک میں جا کر تعلیمی نظام کو بہتر بنانے کے لیے کام کرنا تھا، جہاں تعلیم کو بنیادی حق نہیں سمجھا جاتا تھا، جہاں لڑکیوں کے لیے اسکول جانا کسی خواب سے کم نہ تھا۔

جب وہ پہلی بار ایک افریقی ملک پہنچی تو اس نے ان بچیوں کی آنکھوں میں ایک عجب سی چمک دیکھی۔ وہ علم حاصل کرنا چاہتی تھیں مگر ان کے پاس وسائل نہیں تھے۔ سلمیٰ نے عزم کر لیا کہ وہ ان کے لیے کچھ ایسا کرے گی جو ان کی زندگی بدل دے۔

جو خواب بن کر آنکھوں میں اترے، انہیں حقیقت میں ڈھالنا ہو گا،

جو چراغ بجھنے لگیں، ان کی لو کو ہوا دینی ہو گی۔

یہی وعدہ تھا خود سے، یہی میرا حوصلہ تھا،

کہ تعلیم کا ہر قطرہ، ہر وجود تک پہنچے۔

یہ سفر آسان نہ تھا۔ بہت سے روایتی خیالات اور دقیانوسی نظریات راستے میں رکاوٹ بنے۔ کچھ علاقوں میں تو اسے مردوں کے ساتھ کام کرنے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ اسے دھمکیاں بھی ملیں کہ وہ لڑکیوں کو پڑھنے کے لیے کیوں اُکسا رہی ہے۔ مگر سلمیٰ نے اپنے مقصد کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے ہر مشکل کا سامنا کیا۔

ایک دن وہ ایک گاؤں میں ایک ایسی بچی سے ملی جو چھپ کر پڑھتی تھی کیونکہ اس کے والدین تعلیم کے خلاف تھے۔ سلمیٰ نے اس کے لیے ایک ایسا نظام بنایا جس سے وہ تعلیم حاصل کر سکے اور اس کے والدین بھی خوش رہیں۔ یہ ایک چھوٹی کامیابی تھی، مگر سلمیٰ کے لیے یہ سب کچھ تھا۔

کئی سالوں کی محنت کے بعد، سلمیٰ کی کاوشوں کا اثر واضح ہونے لگا۔ اس کے بنائے ہوئے تعلیمی منصوبوں کے ذریعے ہزاروں بچیوں کو اسکول بھیجا گیا۔ عالمی سطح پر اس کے کام کو سراہا جانے لگا۔ اس کی کہانی ایک مثال بن گئی، وہ لڑکی جو کسی زمانے میں خود مشکلات کا شکار تھی، آج دوسروں کے لیے روشنی کا مینار بن چکی تھی۔

ایک دن، سلمیٰ کو عالمی سطح کے تعلیمی سیمینار میں مدعو کیا گیا جہاں اس نے اپنے سفر کی کہانی سنائی۔ جب وہ اسٹیج پر کھڑی تھی، تو اس کی آنکھوں میں آنسو تھے، مگر وہ خوشی کے آنسو تھے۔

وقت نے جو دیا تھا، وہ لوٹا دیا،
جو خواب دیکھے تھے، وہ حقیقت بنا دیا۔
جو تاریکی تھی، وہ روشنی میں بدل گئی،
جو میں کل تھی، وہ آج ایک مثال بن گئی۔

یہ کامیابی سلمیٰ کے لیے اختتام نہیں، بلکہ ایک نئے سفر کا آغاز تھا۔ اس نے عہد کیا کہ وہ تعلیم کے لیے اپنی زندگی وقف کرے گی۔ اس نے ایک تعلیمی ادارہ قائم کیا، جہاں وہ نوجوان لڑکیوں کو سکھاتی تھی کہ خواب دیکھنا اور انہیں پورا کرنا ان کا حق ہے۔

سلمیٰ کی کہانی یہ سکھاتی ہے کہ اگر ہم اپنے مختصر فائدے کو چھوڑ کر طویل المدتی کامیابی کو اپنائیں، تو ہم نہ صرف خود کو، بلکہ کئی نسلوں کو بدل سکتے ہیں۔

چھٹا باب: واپسی اور تسلیم شدگی

سورج کی کرنیں دھیرے دھیرے ہوائی جہاز کی کھڑکی سے اندر آ رہی تھیں، جیسے روشنی بھی سلمیٰ کے دل کی بے چینی کو محسوس کر رہی ہو۔ کئی سالوں بعد، وہ اپنے ملک لوٹ رہی تھی، وہی ملک جہاں اس نے کبھی خواب دیکھے تھے اور جہاں سے اسے جانے کے لیے مجبور کیا گیا تھا۔ اب جب وہ لوٹ رہی تھی، تو احساسات کا ایک سمندر اس کے دل میں موجزن تھا۔

"یہی وہ مٹی ہے جہاں میرے قدموں کے نشان ہیں،
یہی وہ زمیں جہاں میرے خواب دفن ہیں۔"

جہاز کے پہیے جیسے ہی زمین کو چھوتے ہیں، سلمیٰ کی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں۔ برسوں کا سفر، بے شمار قربانیاں، اور نہ ختم ہونے والی محنت آج اسے یہاں واپس لے آئی تھی۔

جہاز کے دروازے کھلتے ہیں۔ باہر نکلتے ہی گرم ہوا کا جھونکا اس کے چہرے سے ٹکراتا ہے۔ یہ ہوا اجنبی نہیں، یہ وہی گرم جھونکا ہے جو بچپن میں اسے کھیتوں میں دوڑتے وقت محسوس ہوتا تھا۔ ایئرپورٹ پر لوگوں کا ہجوم تھا، ہر کوئی اپنے پیاروں سے ملنے کے لیے بے تاب تھا۔

سلمیٰ کی آنکھیں کسی کو تلاش کر رہی تھیں۔ کیا اس کے ماں باپ آئے ہوں گے؟ وہی ماں باپ جنہوں نے برسوں پہلے کہا تھا کہ وہ ان کے لیے مر چکی ہے؟

"بچھڑنے والے تجھے بھول جائیں گے لیکن،
یہ دل تو تیری یاد میں زندہ رہے گا۔"

اچانک ایک جانا پہچانا چہرہ نظر آتا ہے۔ اس کی چھوٹی بہن، مریم، آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ کھڑی تھی۔ سلمیٰ نے ایک پل کے لیے سانس روکی، پھر تیز قدموں سے آگے بڑھ کر مریم کو گلے لگا لیا۔

"آپ واپس آ گئیں!" مریم کے لب کانپ رہے تھے۔

"ہاں، میں واپس آ گئی،" سلمیٰ نے دھیرے سے کہا، مگر اس کی آواز میں ایک مضبوطی تھی۔

گھر پہنچنے تک سلمیٰ کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ یہ وہی گلیاں تھیں جہاں وہ کبھی بچپن میں کھیلا کرتی تھی، وہی دروازہ جہاں سے اسے وداع کیا گیا تھا۔ آج وہ دروازہ پھر کھلا تھا، مگر کیا دل بھی کھلے ہوں گے؟

اندر قدم رکھتے ہی اس کی نظر والد پر پڑی، جو خاموشی سے چارپائی پر بیٹھے تھے۔ ماں، جو ہمیشہ مضبوط رہتی تھی، اس کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔

"اماں۔۔۔" سلمیٰ نے سرگوشی کی۔

ماں نے آگے بڑھ کر سلمیٰ کے چہرے کو اپنے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے چھوا۔ "تو واقعی آ گئی؟"

"ہاں اماں، میں آ گئی، مگر خالی ہاتھ نہیں۔ میں وہ بن کر لوٹی ہوں جس کا خواب آپ کی بیٹی نے کبھی دیکھا تھا۔"

والد خاموش تھے۔ برسوں کی دوری نے ایک دیوار کھڑی کر دی تھی، مگر اس دیوار کے پیچھے محبت اب بھی زندہ تھی۔ سلمیٰ نے دھیرے سے ان کے قریب جا کر کہا:

"گلا نہ کاٹو مسافتوں کا،
یہ جو راستے تھے ضروری تھے۔"

والد کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، جو شاید برسوں سے رک گئے تھے۔

"ہم نے سوچا تھا، تُو ہمیں بھول گئی ہو گی۔۔۔" والد کی آواز لرز گئی۔

"نہیں ابا، میں نے آپ کو نہیں بھلایا۔ مگر میں نے اپنے خواب کو بھی نہیں بھلایا۔"

والد نے پہلی بار اس کی طرف فخر بھری نظروں سے دیکھا، اور ان کی خاموشی میں پہلی بار تسلیم شدگی کا احساس تھا۔

چند دنوں میں خبر پورے علاقے میں پھیل گئی کہ سلمیٰ واپس آ گئی ہے۔ وہی لوگ جو اسے خود غرض کہتے تھے، آج اس کی کامیابیوں کے گن گا رہے تھے۔

"ہمیں پہلے ہی معلوم تھا کہ یہ کچھ بڑا کرے گی!" ایک پرانے ہمسائے نے فخریہ انداز میں کہا۔

"سلمیٰ بیٹی، تم نے ہمارا نام روشن کر دیا!" گاؤں کے بزرگوں میں سے ایک نے کہا۔

سلمیٰ مسکرائی۔ کیا یہ وہی لوگ نہیں تھے جو کہتے تھے کہ ایک لڑکی کو گھر کی چار دیواری سے باہر نہیں نکلنا چاہیے؟

"یہ وقت کی ستم ظریفی ہے یا میرا صبر،

کہ جو لوگ مخالف تھے، وہی مداح بن گئے؟"

سلمیٰ کے ذہن میں ایک نیا خواب جنم لے چکا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اسے اپنی کامیابی کو صرف اپنے لیے محدود نہیں رکھنا۔ وہ چاہتی تھی کہ ہر وہ لڑکی جو خواب دیکھنے سے ڈرتی ہے، اس کے لیے ایک امید کی کرن بنے۔

اس نے ایک تعلیمی ادارہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا جہاں لڑکیوں کو تعلیم دی جائے، ان کے خوابوں کو حقیقت میں بدلنے کے مواقع فراہم کیے جائیں۔

افتتاح کے دن، اس کے والدین بھی موجود تھے۔ والد نے پہلی بار سب کے سامنے کہا:

"ہم نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ ہماری بیٹی اتنا کچھ کر سکتی ہے۔ مگر آج، ہمیں فخر ہے کہ ہم سلمیٰ کے والدین ہیں۔"

یہ الفاظ سلمیٰ کے لیے کسی ایوارڈ سے کم نہ تھے۔ وہ جان گئی تھی کہ اس کی قربانی بے معنی نہیں تھی۔

"ہر خواب کی تعبیر ممکن ہے،

بس حوصلہ چاہیے، اور قربانی۔"

رات کو جب سلمیٰ اپنے کمرے میں بیٹھی، تو اس نے کھڑکی سے باہر جھانکا۔ ستارے چمک رہے تھے، جیسے وہ بھی اس کی کامیابی میں شریک ہوں۔

وہ سوچ رہی تھی کہ اگر وہ مختصر مدتی خوشی کو چن لیتی، تو شاید وہ آج اس مقام تک نہ پہنچ پاتی۔

"یہ جو درد کے صحرا پار کیے،
یہ جو خواب سچ کیے،
یہ سب قربانی کا صلہ ہے۔"

سلمیٰ نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کا سفر مکمل ہو چکا تھا، مگر ایک نئے خواب کے آغاز کے ساتھ۔

باب ہفتم: پیغام اور انجام

رات کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔ چاندنی کی نرم روشنی سلمیٰ کے تعلیمی ادارے کی کھڑکیوں سے چھن کر اندر آ رہی تھی۔ وہ اپنے دفتر کی کرسی پر بیٹھی، کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ اس کا دل ایک عجیب سے سکون میں تھا، جیسے سالوں کی محنت آج کسی نتیجے پر پہنچ چکی ہو۔

سلمیٰ کا تعلیمی ادارہ، روشنی کا سفر، اب حقیقت بن چکا تھا۔ وہی سلمیٰ جسے کبھی اپنے خوابوں کی تکمیل کے لیے تنقید اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا، آج اسی نے ایسی جگہ بنائی تھی جہاں کئی لڑکیوں کے خواب حقیقت بن رہے تھے۔ یہاں ہر وہ لڑکی تعلیم حاصل کر رہی تھی جو کبھی حالات کی سختیوں سے دبی ہوئی تھی، جسے کبھی کمزور سمجھا جاتا تھا۔

وہ جانتی تھی کہ یہ سب آسان نہیں تھا، مگر اسے ہمیشہ یقین رہا:

"یہ سچ ہے کہ راستے میں کانٹے بہت ہیں،
مگر میرے حوصلے کی پرواز سے زیادہ نہیں۔"

کئی سالوں کے بعد، جب سلمیٰ نے اپنے ادارے کے قیام کا اعلان کیا، تو وہی والدین جو کبھی اس کی مخالفت کرتے تھے، اب اس پر فخر محسوس کر رہے تھے۔

"بیٹا، ہمیں تم پر ناز ہے،" اس کے والد نے پہلی بار آنکھوں میں آنسوؤں کے ساتھ کہا۔

"ہم نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ تم اتنا کچھ کر سکو گی،" والدہ نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

یہی لمحہ تھا جس کا وہ سالوں سے انتظار کر رہی تھی۔ اس کی قربانیوں نے نہ صرف اسے کامیاب بنایا، بلکہ اس کے اپنوں کے دلوں میں بھی اس کی اہمیت اجاگر کر دی۔

سلمیٰ کے تعلیمی ادارے نے ایک نئی روایت قائم کی۔ اب غریب گھرانوں کی بیٹیاں بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہی تھیں۔ کئی والدین نے اپنی بیٹیوں کو تعلیم دینے کے فیصلے کیے، جو کبھی ان کے لیے ناممکن تھا۔

سلمیٰ نے ایک تقریب میں خطاب کرتے ہوئے کہا:

"تعلیم روشنی ہے، اور روشنی کبھی اندھیرے سے ہار نہیں سکتی۔ اگر ہم ایک بیٹی کو پڑھائیں گے، تو ایک پورا خاندان روشن ہوگا۔"

یہ جملے سامعین کے دلوں میں اتر گئے۔ اس دن کئی والدین نے اپنی بیٹیوں کی تعلیم جاری رکھنے کا عہد کیا۔

سلمیٰ اکثر سوچتی تھی کہ اگر وہ مختصر مدتی آرام و سکون کا انتخاب کرتی اور شادی کر لیتی، تو کیا وہ اتنا کچھ حاصل کر پاتی؟ کیا وہ ان سینکڑوں لڑکیوں کے لیے امید کی کرن بن پاتی؟

"یہ دنیا انہی کی ہے جو خود کو کھو کر،
دوسروں کے لیے روشنی بناتے ہیں۔"

اب وہ جان چکی تھی کہ قربانی کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔ یہ وقتی درد تو دیتی ہے، مگر اس کا صلہ ہمیشہ بڑا اور شاندار ہوتا ہے۔

سلمیٰ کی کہانی ان سب کے لیے ایک مثال بن گئی، خاص طور پر ان عورتوں کے لیے جو اپنے خوابوں کی تکمیل کے لیے قربانیاں دینے سے گھبراتی ہیں۔

ایک دن، سلمیٰ ایک لڑکی کے ساتھ بات کر رہی تھی جو اسی کے تعلیمی ادارے میں زیر تعلیم تھی۔ وہ لڑکی بولی، "میڈم، کیا میں بھی آپ کی طرح کچھ کر سکتی ہوں؟"

سلمیٰ مسکرا کر بولی، "تم کر سکتی ہو، اگر تمہارے حوصلے مضبوط ہوں۔ یاد رکھو، کبھی کبھی وقتی خوشیوں کی قربانی دے کر ہم ایک ایسا مستقبل بنا سکتے ہیں جو نہ صرف ہمارا، بلکہ دوسروں کا بھی مقدر بدل دے۔"

چاندنی کی روشنی اب بھی کھڑکی سے اندر آ رہی تھی۔ سلمیٰ نے آسمان کی طرف دیکھا، ایک گہری سانس لی، اور محسوس کیا کہ اس کی قربانی نے واقعی ایک نیا سورج طلوع کیا ہے۔